قرآن کریم کی روشنی میں

حیات انسانی کے اہداف اور مقاصد کا جائزہ

ڈاکٹر محمد افضل کریمی[1]
dr.muhammadafzalkarimi@gmail.com

کلیدی کلمات: انسان، عبادت، حیات، ہدف، اسلام، قرآن، سنت۔

خلاصہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق کائنات کی تمام مخلوقات ایک خاص مقصد کے لیے وجود پذیر ہوئی ہیں۔ بلا مقصد تخلیق کرنا خود شان الوہیت کے ہی منافی ہے۔ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی چیز میں پوشیدہ حکمتِ الٰہی ہماری سمجھ میں نہ آسکے لیکن اِس سے ہماری عقل کا ناقص ہونا ثابت ہوتا ہے، اللہ کی کوئی بھی تخلیق بے کار قرار نہیں دی جاسکتی۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کائنات کی سب سے اشرف وافضل مخلوق 'انسان' کو یوں ہی بے کار، بے مقصد اور محض موج و مستی یا کھانے کمانے کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔

قرآن میں حیات انسانی کو بے مقصد قرار نہیں دیا گیا۔ کہ مقصد انسان عبادت الٰہی ہے اور جو رضائے الٰہی سے عبارت ہے۔ گویا انسان کا مقصد حیات بڑا مبارک، عظیم اور اہم ہے اور اسی بنیاد پر ایک انسان کو تقرب الی اللہ میسر ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ اللہ کی رضا کے لیے کیسی فکر، کیسا جذبہ اور کیا عمل درکار ہے۔ عقیدے کی درستی، جذبات واحساسات کی ہدایت اور ان کے نتیجے میں اعمال صالحہ کی سعی وجہد انسان سے مطلوب ہے۔

اس مقالے میں انسانی زندگی کے عمدہ ہدف کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مقدمہ

کائنات ہستی اور اس کا ایک ایک وجود بلا شک و شبہ با مقصد تخلیق کیا گیا ہے۔ موجودات عالم کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جس کی پیدائش عبث اور بے مقصد ہو جو خالق اپنی حکمت میں بے مثال ہو اس کے بارے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتے ہیں کہ وہ کسی بھی مخلوق کو بے مقصد پیدا کرے۔ قرآن میں ایسی کئی آیتیں موجود ہیں، جو اس جہان ہستی کے ہدف مند ہونے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک مخصوص حکمت کے تحت، ایک متعین مدّت تک کے لیے اپنا کام کر رہی ہے۔ جب تمام چرند، پرند اور درند ایک خاص مقصد کے لیے وجود پذیر ہوئے ہیں، تو انسان کو بلا مقصد تخلیق کرنا خود شان الوہیت کے ہی منافی ہے۔

رب کائنات کا کوئی بھی فعل خالی از حکمت تصور کرنا کفر ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی چیز میں پوشیدہ حکمتِ الٰہی ہماری سمجھ میں نہ آسکے، لیکن اِس سے ہماری عقل کا ناقص ہونا ثابت ہوتا ہے، اللہ کی کوئی بھی تخلیق بے کار قرار نہیں دی جاسکتی۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کائنات کی سب سے اشرف وافضل مخلوق 'انسان' کو یوں ہی بے کار، بے مقصد اور محض موج و مستی یا کھانے کمانے کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔ یہ امر نا قابل اعتبار ہے اور یقیناً قرآن میں بھی حیات انسانی کو بے مقصد قرار نہیں دیا گیا۔

قرآن میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کے ذکر سے بھی یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ خدا کی نگاہ میں انسانی تخلیق کے کچھ خاص اور اعلی اہداف ہیں جن کی خاطر انسان مظہر صفات الٰہی کے عنوان سے صفحہ ہستی پر نمایاں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ایام سے انسانی زندگی کے اہداف اور مقاصد

1۔ محقق، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

کے بارے میں مختلف قسم کی تحقیقات ہوتی رہی ہے جس کی وجہ سے صدیوں سے مختلف علمی شخصیات کی توجہات اس اہم مسئلہ کی طرف مبذول ہوتی رہی ہیں۔ مثلاارسطوکے حوالے سے جو قول منقول ہے،اہمیت کا حامل ہے جس میں ان کا کہنا ہے کہ اس شخص نے خود پر ظلم کیا جسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں سے آیا ہے اور اس کا مقصد حیات کیا ہے۔(1) یہی وجہ ہے کہ کافی عرصے سے علمانے اس موضوع پر مختلف کتابیں تحریر کی ہیں، جن میں سے موجودہ دور میں علامہ محمد تقی جعفری کی کتاب فلسفہ و ہدف زندگی اور استاد شہید مطہری کی کتاب فلسفہ زندگی و مرگ کو بطور نمونہ ذکر کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ مختلف تفاسیر اور عرفان کی کتابوں میں بھی اس موضوع کو نمایاں حیثیت دی گئی ہے جیسا کہ شمس تبریزکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اس بات کی فکر میں لگے رہو کہ میں کون ہوں اور میرا جوہر کیا ہے اس دنیامیں میرے آنے کا مقصد کیا ہے اور مجھے کہاں جانا ہے۔(2)

بہر حال یہ موضوع اس وقت اہم سماجی موضوعات میں سے یہ ایک ہے جس کا براہ راست تعلق انسان کی نفرادی زندگی کے علاوہ اجتماعی زندگی سے بھی ہے اس کے علاوہ بہت سے اخلاقی اور فکری معاملات کا تعلق بھی اس موضوع سے رہتا ہے، چونکہ اگر انسان خود کو بے مقصد مخلوق تصور کرے تو وہ خود کو ہر چیز سے آزاد سمجھے گا جس سے معاشرے میں بہت سارے منفی مسائل پیدا ہونے کے امکانات رہتے ہیں بنابر ایں ان سوالوں کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا حضرت انسان اپنی زندگی کو بامقصد سمجھتا ہے کہ نہیں؟ اگر ہدف مند سمجھتا ہے تو اس کی زندگی کا ہدف کیا ہونا چاہئے؟ کیا اس مادی اور دنیاوی زندگی کو ہی اپنا آخری ہدف سمجھتا ہے یا اسے کسی طویل اور حقیقی زندگی کے لیے مقدمہ قرار دیتا ہے؟ یعنی اس کی زندگی کا ہدف صرف خوردن،آشامیدن اور شہوت رانی تک محدود ہے یا اسے انسانی کمال تک پہنچنے کے لیے اس مادی زندگی کو وسیلہ اور ذریعہ سمجھتا ہے؟

یہ موضوع اس لیے بھی اہم ہے کہ معصومینؑ کے فرامین میں اس موضوع کے متعلق غور فکر کرنے والوں کو رحمت الٰہی کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ مبارک ارشاد ہے کہ:

"رَحِمَ اللہ اِمرَأً عَلِمَ مِن أینَ وَإلی أینَ وفِی أینَ" (3)

ترجمہ: "خدااس شخص پر رحمت کرے جسے یہ معلوم ہو کہ کہاں سے آیا ہے، کہاں جانا ہے اور کہاں رہ رہا ہے۔"

زندگی کے اہداف کی شناخت ہی وہ اہم نکتہ ہے جس کی وجہ سے انسان کمال تک پہنچتا ہے اور ہلاکت سے خود کو نجات دیتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں وہ شخص جسے زندگی کے اہداف کا علم نہ ہو اور اس کے متعلق غور وخوض نہیں کرتا ہو وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ پاتا ہے۔اس سلسلے میں کئی ایسے شواہد بھی ہیں جن کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ بعض اوقات جسے ہدف کا علم نہ ہو وہ خودکشی کے مرحلے تک بھی پہنچتا ہے اور کسی بھی مشکل صورتحال میں اپنی جان سے کھیلتا ہے۔اسی ضرورت اور اہمیت کی وجہ سے اس موضوع کو بنیادی حیثیت دینے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرے میں بامقصد ترقی کا احساس زندہ ہو جائے۔

جب یہ بات روشن ہو گئی کہ انسان اور اس جہان ہستی کو اللہ تعالی نے بے مقصد خلق نہیں کیا ہے تو پھر یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ قرآن کی نگاہ میں وہ اہداف کیا ہیں اور قرآن اس حوالے سے ہماری کیا رہنمائی کر رہا ہے۔قرآن میں متعدد آیتیں موجود ہیں جو اس جانب اشارہ کر رہی ہیں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

"اَفَحَسِبْتُمْ أَنَّما خَلَقْناكُمْ عَبَثاً وَ أَنَّكُمْ إِلَيْنا لا تُرْجَعُونَ" (4)

ترجمہ: "کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمھیں عبث اور بے کار خلق کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں پلٹائے جاؤگے۔"

اس کے علاوہ قرآن ان صاحبان خرد وفکر کے بارے میں بھی ہمیں متوجہ کر رہا ہے جو اپنی عقل اور فہم کو اس سلسلے میں بروئے کار لاتے ہیں اور اسرار آفرینش کے متعلق غور وخوض کرنے کے بعد ان تمام خوبصورتیوں کے خالق وصانع کے کمال کی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہیں اور ان تمام مخلوقات کے ہدف مند ہونے پر عین الیقین کی منزل تک پہنچتے ہیں جیسا کہ قرآن میں موجود ہے:

"الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" (5)

ترجمہ: "جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔"

قرآنی نقطہ نظر سے اس موضوع کے بارے میں وضاحت کے ساتھ گفتگو کرنے سے پہلے موضوع کے متعلق لغوی اعتبار سے بحث کی ضرورت ہے تاکہ بہتر انداز میں اس موضوع پر تحقیق کی جاسکے۔ کلمہ ہدف بنیادی طور پر عربی لفظ ہے جسے اردو اور فارسی میں بھی استعمال کیا جاتا اس کی لغوی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے:

"الغرض الذی یرمی إلیه"

ترجمہ: "ہدف وہ غرض اور مقصد ہے جس کی طرف تیر کو پھینکا جاتا ہے۔" (6)

کتاب العین میں اس کی کچھ اس طرح تعریف کی گئی ہے:

"الهدف من الرجال، الجسیم الطویل العنق، کل شیء عریض و مرتفع" (7)

ترجمہ: "ہدف ایسے جسیم اور لمبے افراد پر استعمال ہوتا ہے جن کی گردن لمبی ہوتی ہے اسی طرح وسیع اور اُونچی چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔"

علما نے اس کی کچھ اصطلاحی تعریفیں بھی کی ہیں جیسا کہ استاد محمد تقی جعفری نے ہدف کے بارے میں لکھا ہے:

"هدف عبارت است از آن حقیقت منظور که آگاهی و اشتیاق به دست آوردن آن، محرك انسان به سوی انجام دادن حرکات معینی است که آن حقیقت را قابل وصول می سازد۔" (8)

ترجمہ: "ہدف سے مراد کسی حقیقت کے بارے میں آگاہی حاصل کرنے اور اسے انجام دینے کی خواہش رکھنے کا نام ہے یا ایسی حقیقت کا نام ہدف ہے جو انسان کو ایسے امور کی انجام دہی پہ اشتیاق دلاتی ہے جو حقیقت کو قابل حصول بناتے ہیں۔"

اس کے علاوہ ایک اور اہم لفظ انسان ہے جو ہماری تحقیق کا محور بھی ہے اس کے اشتقاق اور لغوی استعمال کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے کوفیین کا کہنا ہے کہ انسان نسیان سے مشتق ہوا ہے چونکہ انسان اکثر اوقات فراموشی کا شکار رہتا ہے اسی بنا پر انسان کہا گیا۔ (9) اسی خصلت انسانی کی وجہ سے عالم الست میں خدا نے انسانوں کو خود ان کے اپنے نفسوں پر گواہ بنایا تاکہ فراموشی یا کوئی دوسرا بہانہ نہ بنا سکیں:

"وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ" (10)

ترجمہ: ''اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا کہ) کیا تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے)۔ یہ اقرار اس لیے کرایا تھا کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔''

اسی طرح کچھ اور اہل لغت کا کہنا ہے کہ انسان انس کے مادہ سے مشتق ہے اس کی دلیل یہ کہ انسان کی فطرت میں خدا نے انس و محبت رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان ہمیشہ ایک مونس کا محتاج رہا ہے اسی اساس پر ہی خاندان اور معاشرے کو بھی خدا نے تشکیل دیا تاکہ اپنے خاندان اور معاشرے سے میل ملاپ کرکے انسان اس فطری انس اور محبت کی آگ کو بجاسکے۔(11) قرآن کریم میں انسانی زندگی کے لیے مختلف اہداف بیان ہوئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ عبادت

قرآن کریم کی روشنی میں انسانی زندگی کے اہداف میں سے ایک عبادت ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

'' وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ '' (12)

ترجمہ: ''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف خدا کی عبادت کے لیے خلق کیا ہے۔''

اس آیت کی رو سے خدا نے انسان کی خلقت کا ایک مقصد خدا کی اطاعت اور عبادت قرار دیا ہے سوال یہ ہے کہ جس عبادت کو خدا نے ہدف زندگی قرار دیا ہے اس کا مفہوم کیا ہے اور اسے کس انداز سے انجام دینا چاہیے۔ علما نے اس قسم کے سوالوں کے جوابات تفصیل کے ساتھ دیئے ہیں۔

آیت مذکورہ میں ''عبادت'' کے لفظ سے شاید کسی کو یہ گمان پیدا ہو کہ عبادت اور بندگی سے مراد وہی امور ہیں جنہیں عرف عام میں عبادات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکاۃ وغیرہ اور انہیں عبادت کا بجالانا انسانی زندگی کا نصب العین ہے۔ یہ تصور غلط ہے۔ کیوں کہ قرآن عبادت اور بندگی کو انسانی تخلیق کا واحد مقصد قرار دے رہا ہے۔

اگر عبادت سے مراد محض نماز ہو تو وہ تو دن میں صرف پانچ وقت کے لیے فرض ہے۔ بقیہ اوقات میں نہیں، اس طرح یہ تصور لازم آئے گا کہ خدائے تعالیٰ نے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف چند لمحات پانچ نمازوں کے لیے مقرر کرکے انسان کو اپنے مقصد اور نصب العین کی طرف متوجہ کیا اور باقی سارا وقت اسے اصل مقصد تخلیق سے بے نیاز ہو کر گزارنے کے لیے چھوڑ دیا

اگر عبادت سے مراد محض روزہ ہو، تو وہ سال میں صرف ایک ماہ کے لیے فرض ہے۔ بقیہ مہینوں میں نہیں۔ اس طرح یہ تصور لازم آئے گا کہ خدائے تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک ماہ کے لیے انسان کو اپنے مقصد اور نصب العین کی طرف متوجہ کیا اور باقی سارے عرصے میں اسے اصل مقصد سے صرف نظر کرنے کی اجازت دے دی؟

اگر عبادت سے مراد محض زکاۃ ہو، تو وہ بھی سال میں صرف صاحب نصاب کے لیے ایک مرتبہ فرض ہے۔ اس طرح بقیہ عرصہ میں اور دیگر لوگوں کے لیے اپنے مقصد تخلیق کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی صورت باقی نہ رہی؟ اگر عبادت سے مراد محض حج ہو تو وہ بھی صاحب استطاعت کے لیے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض کیا، بقایا عمر مقصد حیات سے صرف نظر کرتے ہوئے بسر ہوگی؟ اگر ارکان اسلام کے علاوہ دیگر جملہ عبادت کو بھی شامل کرلیا جائے تو وہ ساری کی ساری مل کر بھی پوری زندگی کے ایک ایک لمحے پر محیط نہیں ہو سکتیں۔ انسان کھاتا پیتا بھی ہے، سوتا جاگتا بھی ہے۔ شادی بیاہ بھی کرتا ہے تجارت اور کاروبار بھی کرتا ہے اور دیگر ہر طرح کے معاملات زندگی بھی نبھاتا ہے۔

ان تمام معاملات کو "عبادات" کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس سارے کاروبار حیات کو جاری رکھنے کا حکم بھی اسلام نے ہی دیا ہے۔ کیوں کہ اسے ترک کرکے ہمہ وقت عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا "رہبانیت" ہے۔ جسے نظام حیات کے طور پر اپنانے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی عبادت ہے جس کو انسانی تخلیق اور اس کی حیات کا مقصد اور نصب العین قرار دیا گیا ہے جو جملہ عبادات اور معاملات حیات میں یکساں طور پر انسان کے پیش نظر رہ سکے۔ یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اصل نصب العین اور مقصد وہ ہوتا ہے جو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہ ہونے پائے۔ جو لمحہ مقصد سے بے توجہی اور بے التفاتی میں بسر ہو، گناہ ہوتا ہے اور بارگاہ ربوبیت میں ناپسندیدہ۔

اگر عبادت سے مراد وہی تصور لیا جائے جو عام مذہبی ذہن میں راسخ ہے تو اس طرح انسانی زندگی کے جائز اور مشروع معاملات بھی تضاد کا شکار ہو جائیں گے۔ کیوں کہ بعض معاملات انسانی نصب العین کے مطابق ہوں گے اور بعض اس کے خلاف۔ اس الجھاؤ اور شبہ کو رفع کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ عبادت اور بندگی کا وہ جامع اور وسیع تصور ذہن نشین کر لیا جائے جو انسانی زندگی کے جملہ معاملات پر حاوی ہے اور جس کا تعارف خود قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کرایا ہے:

> " نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو، بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ (انسان) اللہ پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے۔ اللہ سے محبت کی خاطر اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں (حاجتمندوں) اور غلاموں کو آزاد کرنے پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکاۃ دے، جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، اور مصائب و آلام میں، مشکلات و شدائد اور جنگ وجدال میں صبر کرے۔ ایسے ہی لوگ سچے اور متقی و پرہیزگار ہیں"۔(13)

اس آیت مبارکہ میں عبادت اور نیکی کا اصل تصور بیان کرنے سے پہلے لوگوں کے زعم میں موجود تصور کی نفی کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ تعریف جامع بھی اور مانع بھی ہے۔ عوام کے ذہنوں میں عام طور پر محدود تصور راسخ ہوتا ہے اور وہ نماز ہی طرح کی عبادت کو عبادت، نیکی اور بندگی کہتے ہیں۔ زندگی کے باقی معاملات دنیاداری تصور کیے جاتے ہیں۔ قرآن نے سب سے پہلے اس راہبانہ تصور عبادت کو رد کر دیا کہ اگر کوئی شخص مشرق و مغرب کی جانب یعنی قبلہ رو ہو کر نماز وغیرہ پڑھنے کو ہی نیکی اور اصل عبادت سمجھتا ہے تو یہ غلط ہے۔ اسلام کے نزدیک عبادت اور نیکی کا مفہوم اس قدر محدود نہیں کہ جس کا بقیہ عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بلکہ قرآنی تصور عبادت اور اسلامی مفہوم تقویٰ اس قدر وسیع ہے جو انسان کی فکری اور عملی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے۔ اسلام کا تصور بندگی یہ ہے کہ انسانی زندگی درج ذیل خصائص کی جامع ہو۔

- **صحت عقائد:** جس میں اللہ تعالیٰ، آخرت، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔
- **حب الٰہی:** جس کا ثبوت خلق خدا کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور مالی ایثار و قربانی کے ذریعہ فراہم کیا جائے۔
- **مالی ایثار:** اپنے وسائل دولت، مستحق رشتہ داروں، یتامی و مساکین، غرباء و فقراء اور غلامی و محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کی آزادی، معاشی بحالی اور آسودگی پر خرچ کیے جائیں۔
- **صحت اعمال:** نماز اور روزہ وغیرہ کے احکام کی پابندی کی جائے۔
- **ایفائے عہد:** انسان جو عہد اور فیصلہ کرے عزم و ہمت کے ساتھ اس پر ثابت قدم رہے۔
- **صبر و تحمل:** مصائب و شدائد کے تمام غیر معمولی حالات میں بھی صبر و تحمل اور عزم واستقلال کے ساتھ قائم رہے۔
- **راہ خدا میں جد و جہد:** حق کی خاطر کسی قسم کی مخالفت و مخاصمت سے نہ گھبرائے خواہ وہ کھلی جنگ کی صورت ہی کیوں نہ ہو۔

کتاب مجمع البحرین میں عبادت کا مفہوم کچھ اس طرح بیان ہوا ہے:

"العبادۃ الطاعۃ مع الخضوع۔" (14)

ترجمہ: "عبادت خضوع کے ساتھ اطاعت کا نام ہے۔"

راغب نے مفردات میں کچھ اس طرح تعریف کی ہے:

"العبودیۃ اظھار التذلل و العبادتہ ابلغ منھا لانھا غایۃ الذلل، ولا یستحقھا الا من لہ غایۃ الافضال۔" (15)

ترجمہ: "عبودیت اطاعت اور فرمان برداری کے اظہار کا نام ہے، جبکہ عبادت اس سے بلیغ تر ہے چونکہ اس میں عاجزی اور تنزلل کی انتہا ہے یہ صرف اس ذات کے ساتھ مخصوص ہے جو انسان کے ساتھ انتہائی حد تک احسان کرتا ہے۔"

اس سلسلے میں معروف مفسر قرآن علامہ طباطبائی لکھتے ہیں:

"حقیقت عبادت این است کہ بندہ خود را در مقام ذلت قرار بدھد۔" (16)

ترجمہ: "عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خود کو مقام ذلت میں قرار دے۔"

ان مفاہیم سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبادت ایک حقیر اور پست وجود کا ایک عظیم اور بے پایاں ذات کے سامنے اظہار عاجزی کا نام ہے اس کا لازمی نتیجہ اطاعت کی شکل میں سامنے آتا ہے یعنی اطاعت اپنے تمام وجود کے ساتھ اس ذات کے سامنے خود کو مطیع ٹھہرائے جانے سے عبارت ہے اور جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو، صرف معروف عبادات کی حد تک اس عمل کو مخصوص نہ کرے۔

چونکہ شریعت اسلامی کی رو سے ہر وہ عمل جو قرب الٰہی کی نیت کے ساتھ انسان انجام دے وہ عبادت میں شمار ہوتا ہے اسی لیے اس کا دائرہ اطلاق بھی بہت وسیع ہے۔ جیسا کہ پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کا یہ نورانی ارشاد بھی اس بات کی تائید کرتا ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"یا علی احتسب بما تنفق علی نفسک تجدہ عند اللہ مذخورا" (17)

ترجمہ: "اے علیؑ جو کچھ خود پر خرچ کرتے ہو اس کا احتساب کرو تا کہ اسے خدا کے ہاں پاؤ گے۔"

اس نورانی حدیث سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ انسان خدا کے لیے کوئی بھی عمل انجام دے تو وہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور خدا کے ہاں وہ محفوظ بھی ہو جاتا ہے۔ احادیث اور ائمہؑ کے فرامین میں عبادت کی بہت سی قسمیں بیان ہوئی ہے جن میں امیر المومنینؑ کا یہ فرمان مبارک مشہور ہے آپ نے انتہائی سلیس اور بلیغ انداز میں اس کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے:

"ان قوما عبدوا اللہ رغبۃ فتلک عبادۃ التجار، و ان قوما عبدوا اللہ رھبۃ فتلک عبادۃ العبید و ان قوما عبدوا اللہ شکرا فتلک عبادۃ الاحرار و ھی افضل العبادۃ" (18)

ترجمہ: "کچھ لوگ خدا کی عبادت ثواب کی خاطر کرتے ہیں یہ تاجروں کی عبادت ہے کچھ اور خوف خدا کی خاطر خدا کرتے ہیں یہ غلاموں کی عبادت ہے اسی طرح کچھ لوگ خدا کی نعمتوں کی شکر گزاری کے لیے عبادت کرتے ہیں جو آزاد منش انسانوں کی عبادت ہے یہی بہترین عبادت بھی ہے۔"

جیسا کہ اس فرمان مبارک سے یہ معلوم ہوا کہ امیر المومنینؑ کی نگاہ میں عبادت کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تاجروں کی عبادت دوسری قسم غلاموں کی عبادت تیسری قسم آزاد لوگوں کی عبادت اور سب سے بہترین عبادت آخری قسم ٹھہرائی گئی چونکہ اس عبادت کا تعلق کسی فائدے سے نہیں ہے

اور انسان اس مرحلے میں خود کو انسانی کمال کی منزل پر فائز سمجھتا ہے جبکہ عشق و احساس ذمہ داری کے علاوہ اس کی نگاہ میں کچھ نہیں ہوتا ہے اور خدا کی ذات کو اپنی آخری غایت قرار دیتا ہے جیسا کہ امیر المومنینؑ کا ہی ارشاد ہے کہ :

''یاولی المومنین یاغایة آمال العارفین، یاغیاث المتستغیثین، یاحبیب قلوب الصادقین ویا اله العالمین'' (19)

ترجمہ : ''تو مومنین کا سرپرست، عارفین کا مرکز امید، فریادیوں کا فریادرس۔ صادقین کا محبوب اور عالمین کا معبود ہے۔''

اسی طرح ایک اور موقع پر امام عالی مقامؑ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

''ماعبدتك خوفا من عقابك ولا طمعاً فی ثوابك ولکن وجدتك اهلا للعبادة فعبدتك'' (20)

ترجمہ : '' (اے خدائے کریم) میں تیری عبادت عذاب کے خوف سے یا ثواب کی کی لالچ میں نہیں کرتا چونکہ تجھے لائق عبادت پایا اسی لیے تیری عبادت کرتا ہوں۔''

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد منش انسانوں کی حقیقی عبادت اس مادی جسم سے نکل کر عشق کی وادی میں قدم رکھنے سے ہی تکمیل ہو جاتی ہے جہاں انہیں نفع و نقصان سے زیادہ محبوب کی چاہت کا خیال رہتا ہے۔ ہر اچھی چیز کی طرح عبادت کے بھی انسان کی مادی اور معنوی زندگی پر مختلف النوع اثرات و فوائد ہیں جن کی وجہ سے انسان کمال کی بلندیوں کو چھولیتا ہے۔ عبادت کے حوالے سے چند اہم نکات ملاحظہ ہوں :

الف۔ بہشت کا مستحق ہونا :

عبادت کا کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ وہ انسان کو بہشت تک رسائی کے قابل بناتی ہے اور ابدی ہلاکت سے انسان کو نجات دے کر حقیقی کامیابی کی منزل تک پہنچاتی ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد گرامی ہے :

''ان الله تبارك و تعالی لم یخلق خلقه عبثاً، ولم یترکم سدی بل خلقهم لاظهار قدرته و لیکلفهم طاعته فیستوجبوا بذالك رضوانه، و ماخلقهم لیجلب منهم منفعة لیدفع بهم مضرة بل خلقهم لینفعهم و یوصلهم الی نعیم الابد۔'' (21)

ترجمہ : ''اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات کو عبث اور فضول خلق نہیں کیا ہے اور بے کار نہیں چھوڑا بلکہ انہیں اپنی قدرت کے اظہار کے لیے خلق کیا ہے اور انہیں اپنی اطاعت کا پابند بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعے خود سے متوقع نقصان کو دور کر لیں اسی طرح انہیں فائدہ پہنچانے اور ابدی نعمت کی طرف پہنچانا بھی خلقت انسانی کا ہدف ہے۔''

ب۔ انسانی تربیت کا ذریعہ :

انسانی تربیت میں عبادت کا کردار اہم ہوتا ہے اسی لیے کئی اسلامی منابع میں اس کو نمایاں انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے کہ :

''رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا۔'' (22)

ترجمہ : ''وہ رب ہے آسمان اور زمین کا اور ان چیزون کا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں پس تم اس کی بندگی اور اسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو کیا کوئی ہستی ہے تمہارے علم میں اس کی ہم پایہ۔''

نفس، انسان کو ہمیشہ راحت اور آسائش کی طرف بلاتا ہے اسی لیے عبادت انسان کے لیے ہمیشہ مشقت آور ہوتی ہے اس کے باوجود انسانی تربیت میں اس کی اہمیت کی وجہ سے خدا نے مندرجہ بالا آیت میں صبر سے پیش آنے کی تلقین کی ہے، چونکہ انسانی جبلت کے اندر موجود شہوانی عنصر اور عقل کی محدودیت کی وجہ سے ان ماورائے طبیعت حقیقتوں سے انسان لاعلم رہتا ہے جو خدا کے ہاں ہمیشہ سے موجود ہیں۔

ج۔احساس ذمہ داری کا احیاء:

عبادت کے اثرات و فوائد میں سے ایک انسان کے اندر احساس ذمہ داری کا احیا ہے جس کی طرف کئی موارد میں ائمہؑ نے تاکید کی ہیں جیسا کہ امام علی ابن موسی رضاؑ کا ارشاد گرامی ہے جس میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

فان قال:"فلم تعبدهم؟ قيل لئلا يكونوا ناسين لذ كره. ولا تاركين لادبه ولا لاهين عن أمره و نهيه اذ كان فيه صلاحهم و قومهم فلو تركوا بغير تعبد لطال عليهم الامد فقست قلوبهم۔" (23)

ترجمہ:"اگر کوئی کہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو عبادت کا حکم کیوں دیا ہے کیا خدا کو عبادت کی ضرورت ہے؟اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تاکہ یاد خدا فراموشی کا شکار نہ ہو اور خدا کے محضر میں انسان مودب رہے اسی طرح اس کے امر و نہی سے انسان غافل بھی نہ ہو چونکہ اسی میں ان کی فلاح ہے اگر لوگ بغیر عبادت کے رہ جائیں تو زمانے کے گزرنے کے ساتھ قساوت قلبی کا شکار ہو جائیں گے۔"

مذکورہ بالا مفاہیم سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ کہ عبادت انسان کے قلب اور روح کو بیدار کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہونے کے ساتھ یاد خدا کا بالاترین وسیلہ بھی ہے۔ نماز پنجگانہ کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ بے بند و قید دنیاداری میں مشغول انسان کو خدا کی یاد کی طرف بلاتی ہے۔

۲۔آزمائش

قرآن میں جن آیتوں میں انسانی زندگی کے اہداف مذکور ہیں ان میں سے بعض آیتوں میں آزمائش بھی ایک ہدف کے طور پر بیان ہوا ہے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

"الَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ" (24)

ترجمہ:"وہ ذات کہ جس نے موت اور حیات کو خلق کیا ہے تاکہ تمہیں آزماسکے کہ تم میں سے کون اچھا عمل انجام دیتا ہے اور وہ شکست ناپزیر اور معاف کرنے والا ہے۔"

آیت اللہ مکارم شیرازی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"مسئله آزمایش و امتحان انسانها از نظر حسن و عمل به عنوان يك هدف معرفی شده است۔" (25)

ترجمہ:"انسانوں کی آزمائش کا مسئلہ ایک ہدف اور مقصد کے طور پر متعارف ہوا ہے۔"

اس آیت سے واضح انداز میں معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے انسان کی خلقت کا بنیادی ہدف آزمائش قرار دیا ہے چونکہ اس آیت میں "بلا" کا مادہ ذکر ہوا ہے جو خود امتحان کا مفہوم اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور آزمائش کی ایک قسم ہے۔

یہ ہدف مند آزمائش تمام انسانوں کے لیے ہے، کسی زمان اور مکان کے ساتھ خاص نہیں جو لوگ یہ گمان اور خیال کرتے ہیں کہ ہماری آزمائش نہیں ہو گی تو ان کے لیے خدا نے صراحتاً کہا کہ حتماً آزمائے جاوگے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

"أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لا يُفْتَنُونَ۔" (26)

ترجمہ:"کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور اُن کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔"

اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ میں صراحت کے ساتھ بیان ہو رہا ہے:

"وَلِيَبْتَلِيَ اللهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔" (27)

ترجمہ: "اور تاکہ خداآزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔"

ان آیتوں سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ خدا کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ ہر کسی کو آزمایا جائے گا اور ان کو اس الٰہی معیار پر اترنا پڑے گا۔اس کے علاوہ اس موضوع کے متعلق کثرت کے ساتھ پیغمبر ﷺ کی احادیث اور ائمہؑ کے فرامین ملتے ہیں جیسا کہ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

"وان کان سبحانہ اعلم بھم من انفسھم ولکن لتظھر الافعال التی بھا یستحق الثواب العقاب۔" (28)

ترجمہ: "اگرچہ خدا ان کے اعمال کے متعلق خود ان سے زیادہ آگاہ ہے مگر ان سے امتحان اس لیے لے رہا کہ تاکہ ان سے ایسے افعال ظاہر ہو جائیں جو انہیں عقاب اور جزا کے مستحق بنا دیتے ہیں۔"

۳۔ معرفت خدا:

قرآن میں انسانی زندگی کے اہداف میں سے ایک معرفت خدا ذکر ہوا ہے:

"اللهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔" (29)

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمینیں بھی اتنی ہی، ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے اور یہ جان لو اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ فرما رکھا ہے۔"

جیسا کہ اس آیت سے واضح ہو رہا ہے خدا کی قدرت کے بارے میں علم اور آگاہی آسمان اور زمین کی خلقت کے اہداف کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔(30) مختلف احادیث میں معرفت کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں اور اس ضمن میں یہ بھی ذکر ہوا کہ خدا کی معرفت کے لیے ضروری ہے کہ انسان سب سے پہلے خود اپنی معرفت اور شناخت حاصل کرے جیسا کہ امیر المومنین نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارف وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی شناخت حاصل کرے۔(31)

۴۔ مشمول رحمت الٰہی قرار پانا

قرآن میں انسانی زندگی کے اہداف میں سے ایک رحمت خدا کی طرف انسان کی رسائی بیان ہوا ہے یعنی خدا نے انسان کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دینے کے لیے خلق کیا ہے اب یہ انسانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ خود کو اس قابل بنائیں جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:

"إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔" (32)

ترجمہ: "مگر جس پر تیرے، رب نے رحم کیا، اور اسی لیے انہیں پیدا کیا، اور تیرے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ البتہ دوزخ کو اکٹھے جنوں اور آدمیوں سے بھر دونگا"

اس موضوع کے متعلق مختلف اسلامی منابع میں کئی احادیث بیان ہوئی ہیں جیسا کہ سلمان فارسیؓ نے خدا کی رحمت کے بارے میں رسول اسلام ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے:

"ان الله عزوجل مائة رحمة انه انزل منها واحدة الی الارض فقسمها بین خلقه بها یتعاطفون ویتراحمون و اخر تسع و تسعون لنفسه یرحم بها عبادہ یوم القیامة" (33)

ترجمہ: "خدا نے رحمت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ زمین پر نازل کیا ہے اور اس کو اپنی تمام مخلوقات کے درمیان تقسیم کیا ہے تمام مخلوقات میں جتنے بھی محبت اور رحم کے مظاہر موجود ہیں وہ اسی ایک حصے کی وجہ سے ہے باقی ننانوے حصے اپنے لیے رکھے ہیں تاکہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کر سکے۔"

معانی الاخبار میں بھی ایک روایت کچھ اس طرح نقل ہوئی ہے کہ ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ سے خدا کے اس قول کے بارے میں پوچھا:

"الا من رحم ربك ولذالك خلقهم" (34)

ترجمہ: "مگر جس پر تیرے رب نے رحم کیا، اور اسی لیے انہیں پیدا کیا"

تو امامؑ فرمانے لگے کہ خدا نے انہیں خلق کیا تاکہ انہیں مستوجب رحمت بنائے۔ بہر حال یہاں انسانی زندگی کے اہداف کو قرآن کی حد تک محدود رکھا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ طوالت سے احتراز کرتے ہوئے اختصار اور جامعیت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور قرآن کی روشنی میں چند تحقیقی نکات پیش کیے جائیں۔

*****

حوالہ جات

1۔ موحد، محمد علی، تفسیر ونقد وتحلیل مثنوی، ج1، ص588، تصحیح و تعلیق: 1356

2۔ تبریزی، محمد، شمس الدین، نشر مرکز تہران، چاپ سوم، 1378، ویرایش متن، جعفر مدرس صادقی

3۔ مجلسی، محمد باقر بحار الانوار، ج28، ص401 چاپ موسسہ الوفا بیروت لبنان 1404ھ ق

4۔ مومنون/115

5۔ آل عمران: ۱۹۱

6۔ مسعود، جبران، لغت الرائد، ج2، ص556، طبع خامس، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، مؤسسة ثقافیة، 1986م

7۔ الفراہیدی، خلیل ابن احمد، ترتیب کتاب العین، ج3، ص1874، انتشارات اسوہ، التابعة لمنظمة الأوقاف والأمور الخیریة، 1414ھ ق

8۔ جعفری، محمد تقی. فلسفہ وہدف زندگی، ص16، موسسہ تدوین ونشر آثار علامہ جعفری، 1379ھ ش

9۔ روحی، محمد، تفسیر مفردات قرآن فی ترتیب مجمع البیان والمیزان، واژہ انس، انتشارات احیاء کتاب، طبع اول، تہران 1429ھ ق

10۔ اعراف/172

11۔ التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج1، ص162

12۔ ذاریات/۵۶

13۔ سورہ بقرہ/۱۷۷

14۔ مجمع البحرین، ج3، ص92

15۔ مفردات الفظ القرآن، مادہ عبد 1413ق

16۔ تفسیر المیزان، ج18، ص582
17۔بحار الانوار، ج74، ص68
18۔ نہج البلاغہ، حکمت 126
19۔مفاتیح الجنان، دعای کمیل
20۔احسانی، محمد بن علی، عوالی اللآلی، ج1، ص404 انتشارات رضی قم،1405ش
21۔ علل الشرایع، ج2، ص9
22۔مریم:/65
23۔صدوق، علل الشرایع، ج1، ص25
24۔ملک:/2
25۔ تفسیر نمونہ، ج72، ص386
26۔ عنکبوت:/2
27۔آل عمران:/154
28۔ نہج البلاغہ، کلمات قصار،،90، فیض الاسلام
29۔طلاق:/12
30۔شیرازی، مکارم، تفسیر نمونہ، ج22، ص386
31۔ تمیمی، عبدالواحد، غرر الحکم، ج4، ص341. دفتر تبلیغات اسلامی حوزہ علمیہ قم، سال1344ش
32۔ہود:/119
33۔طبرسی، فضل بن حسین، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج1، ص21. ناشر دارالمعرفہ چاپ بیروت سال1426ق
34۔المیزان، ج11، ذیل آیہ 121 ہود از نقل معانی الاخبار